محمد اسلم شیخوپوری

ایک عظیم مجاہد

جانشین امیر شریعت، قائد احرار حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری تقریباً ستر برس کی عمر میں ۲۷، ۲۸ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء پیر اور منگل کی درمیانی شب اپنے ہزاروں متعلقین و معتقدین کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس میں شک نہیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک بہت بڑے انسان کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے عظیم باپ کی عظیم روایات کو بھی خوب اچھی طرح نبھایا لیکن ان کا اعزاز و اکرام محض ایک بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے ذاتی کمالات، انسانی اخلاق، وسیع مطالعہ اور اسلامی صفات بھی ایسے تھے کہ ان کے دشمن بھی ان کے احترام پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

شعر و ادب، تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت، درس و تدریس اور تعلیم و تربیت جیسے بظاہر متضاد شعبوں میں وہ یکساں مہارت رکھتے تھے، ان کی پچاس کے قریب تصانیف ان کے علم و قلم کی میراث کے طور پر ہمیشہ ان کی یادوں کو تازہ رکھیں گی۔

مجلس احرار اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا شدید تھا کہ بسا اوقات دوسرے تعلقات اس کے مقابلے میں ماند پڑ جاتے تھے وہ سات برس تک مجلس احرار کے امیر رہے۔ قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں پہلی بار انہوں نے جمعہ کا اجتماع منعقد کیا اور وہاں مسلمانوں کی پہلی مسجد، "جامع مسجد احرار" کی بنیاد رکھی۔

دفاع صحابہ کے سلسلے میں بھی ان کی خدمات قابل رشک ہیں صحابہ کے بارے میں وہ کسی قسم کی رواداری کے قائل نہ تھے انہیں فنافی الصحابہ کا لقب دینا یقیناً مبالغے سے خالی ہو گا۔ مذہب، تاریخ، ملک اور سیاست کے حوالے سے جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اسے ڈنکے کی چوٹ لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کر دیتے۔ اکابر کا احترام، بزرگوں کے فرمودات، معاصرین کی آراء، مخالفین کی غوغا آرائی، دشمنوں کی ژاژخائی اور قید و بند کا خوف انہیں اپنی رائے کے اظہار اور حق کے بیان سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

لاکھوں کے مجمع اور جبہ و دستار کی ہمہ گیر بہار میں بھی اگر کوئی بات خلاف حقیقت کہی جاتی تو وہ اس کی تردید میں لمحہ بھر توقف نہیں کرتے تھے، رسمی قسم کے آداب محفل اور زمانہ سازی کا خیال ان کی زبان پر قدغن نہیں لگا سکتا تھا۔ آج جب کہ "جمہوریت" کا مرض عوام تو عوام خواص تک کو لاحق ہو چکا ہے اور بڑے بڑے مدعیان دین بھی جمہوریت کی تنگنائے سے اسلامی انقلاب کی آمد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں اسی مغرب زادی کے کاکل و رخسار کی تزئین و آرائش کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ جمہوریت زدگی کے اس ماحول میں انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں اس کی تردید کی اور برسر عام کہا کہ:

"بعض فریب خوردہ علماء اور جماعتیں برسوں تک ہماری غریب جماعت مجلس احرار اسلام کا حسب

سابق مذاق اڑاتے رہے اور ہمارے ساتھ اس بحث میں مصروف رہے کہ آپ پہلے جمہوریت بحال کرالیں پھر اسلام آجائے گا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اسلام کو جمہوریت کی چادر میں لپیٹ کر لانے والو! تم نے دس سال تک جمہوریت کے نام پر اسلام کو رسوا کیا، اسلام نہیں آیا۔ پھر دس سال تک جمہوریت کو ڈکٹیٹر شپ کی گود میں پالنے والوں نے ڈکٹیٹری کا بیوپار کیا۔ جمہوریت تو نہ آئی مگر ڈکٹیٹر شپ آگئی۔ پھر ڈکٹیٹر شپ کو ہٹانے کے لئے ایک اور ڈکٹیٹر آگیا۔ صدارت بھی گئی اور جمہوریت بھی، اسلام پھر یتیم اور مظلوم!

بد نصیب ہیں وہ علماء، وہ دینی جماعتیں اور ان کے سیاسی لیڈر جو اسلام کی بجائے جمہوریت کا پرچم اٹھائے قیادت کا راگ الاپتے رہے لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، اجتماعی کے نشان اور مرکزیت کی علامت، ختم نبوت کے لئے ان کو اکٹھا ہونا یاد نہ رہا۔ ان وہ اپنی آنکھوں سے جمہوریت کا حشر دیکھ چکے۔ انھوں نے پہلے جمہوریت کے نام پر اسلام کو برباد کیا، پھر ڈکٹیٹر شپ آئی اور ڈکٹیٹر شپ کے بعد اب پھر جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے۔

آج سن لو! جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائے گا، اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں۔ کوئی کافرانہ جمہوریت، امریکی صدارتی نظام، برطانوی پارلیمانی نظام، کسی ماؤ، لینن وسٹالن کا کفریہ نظام سوشلزم اور کمیونزم اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے۔ جب تک اس سیاسی ناٹک اور فریب کا پردہ چاک نہیں کیا جائے گا، مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کیا جائے گا، جب تک آپ کی قوت فکر و عمل ایک نہیں ہو گی، تمام مکاتب فکر اسلام کے دستور پر اکٹھے نہیں ہوں گے، اسلام نہیں آئے گا۔ (خطاب شرکاء جلوس احرار کانفرنس چنیوٹ، ۲۴ مارچ ۱۹۷۲)

اپنے ایک دوسرے خطاب میں انہوں نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو جمہوریت اور جمہوریت کے بانی افلاطون اور ارسطو کو انسانی حقوق کا علمبردار بتاتے ہیں۔ انہوں نے حاصل پور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج پھر دین حق پر کفر آمیز تنقید کی وباء پھوٹ پڑی ہے۔ ازلی و ابدی سچائیوں کی تردید کا طاعون پھیل گیا ہے۔ خلاف شریعت عقائد و نظریات کی توپیں چل رہی ہیں۔ پھر وہی زبان بولی جا رہی ہے، علماء کی عزت کو چیلنج ہو رہا ہے۔ پھر پیغمبر کی عزت پر حرف آرہا ہے، قرآن کی غلط تفسیریں ہو رہی ہیں، ناپاک جمہوریت کو اسلامی نظام پر ترجیح دی جا رہی ہے، اور افلاطون کو انسانی حقوق کا علمبردار بتایا جا رہا ہے۔

میں کہتا ہوں! کائنات میں اس سے بدترین جھوٹ کوئی نہیں۔ یہ پیغمبروں کی پوری جماعت پر تہمت ہے۔ وہ افلاطون جو اپنے ایمان کی ضمانت نہیں دے سکتا، وہ دنیا کو سب سے پہلے انسانی حقوق سے کیسے آشنا کر سکتا ہے؟ اگر اللہ کی مخلوق کو پہلی مرتبہ اس کے حقوق سے آشنا

کرنے والا افلاطون یا اس کا بدمعاش شاگرد ارسطو ہے تو پھر انبیاء کس لئے بھیجے گئے؟ وہ دنیا میں کیا کرنے آئے تھے، جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ساری کائنات کو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے عوامی حقوق سے آشنا کرایا، اس وقت جمہوریت کے کسی بابا جان کا عالم ارواح میں بھی وجود نہیں تھا۔ کائنات میں ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نبی اور رسول خطۂ زمین پر بسنے والے عوام کو ان کے حقوق نہ بتا رہا ہو اور انہیں ان کی پامال زندگی سے اٹھا کر انسانیت کے مرتبہ پر فائز نہ کرتا رہا ہو۔ (۲ مارچ ۱۹۸۲)

مروجہ جمہوریت کی مخالفت کرنے پر بھی کئی جمہوری علماء ان سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے مگر وہ اس باپ کے بیٹے تھے جس نے کبھی اقتدار کے ماتھے کی شکنوں کی پرواہ نہ کی تو یہ اپنے معاصرین کی خفگی کی کیسے پرواہ کرتے؟

حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ نے اپنے اس بیٹے کی خاص طور پر تربیت کی تھی اور آپنے زمانۂ طفولیت کے بعد شباب کی دہلیز پر ان کی موجودگی میں قدم رکھا تھا، تعلیمی زندگی کے بعد عملی زندگی کا آغاز بھی اپنے عظیم المرتبت والد کی حیات میں کر دیا تھا۔

انہیں اساتذہ بھی ایسے میسر آئے جو ہیرے کی تراش خراش اور اس کے حسن کو نکھارنے کے فن کے ماہر تھے۔ مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ ثقہ روایت ہے کہ جب حضرت بخاری رحمہ اللہ اپنے بیٹے کو تعلیم کی غرض سے ان کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ "ہم میاں بیوی نے تو اللہ سے مانگ کر آپ کا یہ بیٹا لیا ہے یہ کہیں نہیں جا سکتا"

واقعی وہ دور ایسا تھا جب اساتذہ سکوت نیم شب میں عجز و انکساری کی تصویر بن کر اللہ سے باصلاحیت شاگرد مانگا کرتے تھے اور جب خوش قسمتی سے ایسے تلامذہ انہیں میسر آجاتے تھے تو وہ خون جگر سے ان نوخیز پودوں کو یوں سینچا کرتے تھے کہ ان کی شاخ زندگی پر علم و عمل کے رنگا رنگ پھولوں کی پہین دیکھنے والی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی اور چمن ان کی بوئے جانفزا سے معطر ہو جاتا تھا۔ سید عطاء المنعم بخاری خوش قسمت تھے کہ انہیں ایک خدا رسیدہ باپ کی محبت و شفقت بھی میسر آئی اور معرفت چشیدہ استاد کی تعلیم و تربیت بھی۔

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ علم و عمل کے کسی شعبے میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے، ان کی خدمات کا دائرہ صحافت سے خطابت تک، شاعری سے نثر نگاری تک، منبر و محراب سے جلسہ و اسٹیج تک، رد رفض سے رد قادیانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ آج جبکہ ان کے متعلقین ایک شعلہ بیان مقرر، حق گو عالم دین، بے باک صحافی، تاریخ کے مدوجزر پر گہری نظر رکھنے والے مؤرخ، شب بیدار عابد و زاہد، رفض و قادیانیت کے لئے شمشیر برہنہ کا سوگ منا رہے ہیں، نہ معلوم کیوں اس ناقص کے دل میں رہ رہ کر یہ ہوک اٹھتی ہے کہ افسوس مغربی جمہوریت اور جمہوریت زدوں کے خلاف جہاد مسلسل کرنے والا ایک عظیم مجاہد نہ رہا۔

ماہنامہ الاشرف کراچی دسمبر ۱۹۹۵ء